فقہِ اسلامی میں معرفتِ "فروق کا بیان"

(دوسری قسط)

ڈاکٹر مولانا محمد اویس معصومی

ظاہر اور نص میں فرق:

ظاہر:"ھواسم الکلام ظھر المرادمنہ للسامع بنفس الصیغۃویکون محتملاللتاویل والتخصیص"۔ا

ترجمہ: ظاہر ایسا اسم ہے کہ کلام میں سننے والے کے لئے اس کی مراد اس کے صیغہ سے ہی ظاہر ہو جاتی ہے اور یہ اسم ظاہر تاویل و تخصیص کا احتمال بھی رکھتا ہے۔

جیسے: واحل اللہ البیع وحرم الربوا۔۲

اور :فانکحوا ماطاب لکم ۔۳

دونوں آیات کا معنی مراد ظاہر الفاظ سے ہی معلوم ہو رہا ہے۔

نص کی تعریف یہ ہے:

"مالایحتمل الامعنی واحداوقیل مالایحتمل التاویل"۔۴

ترجمہ: نص ایسا کلمہ ہے جو صرف ایک ہی معنی کا متحمل ہوتا ہے جس کی تاویل نہیں کی جاسکتی ہے۔

دلالۃ النص اپنے معنی پر زیادہ واضح ہوتی ہے بنسبت دلالۃ الظاہر کے اپنے معنی کی وضاحت کرنے میں ۔نص کا معنی مقصود اصلی ہوتا ہے جو سلسلہ کلام سے ہی سمجھا جاتا ہے جبکہ ظاہر کا معنی مقصود تبعا مقصود ہوتا ہے خود بخود سلسلہ کلام سے نہیں سمجھا جاتا ہے۔نص میں تاویل کا احتمال ظاہر کے مقابلے میں کہیں کم ہے۔نص اور ظاہر دونوں ہی واجب العمل ہیں۔جب ظاہر اور نص میں تعارض ہوجائے تو نص کو ظاہر پر ترجیح دیں گے۔۵

☆الاتعلم ان فی الناس من فقد عقلہ اوصحتہ اوھو محبوس او مشلول اومبتلی .☆

عام اور مجمل میں فرق:

العام:''لفظ وضع وضعاواحدالکثیر غیر محصورمستغرق جمیع مایصلح له،،[۶]

ترجمہ:ایسالفظ جوکسی ایک وضع کے لئے بنایا گیاہوجواپنے تمام افراد کے لئے ہوّجتنے بھی افراداس کے اندرآسکیں تمام کے لئے اسکاحکم عام ہو۔

علامہ نظام الدین شاشی عام کی تعریف یوں کرتے ہیں:

''کل لفظ ینتظم جمعامن الافراداماالفظاکقولنامسلمون ومشرکون امامعنی کقولنامن وما،،[۷]

ترجمہ:عام وہ لفظ ہے جوکئی افراد کوبیک وقت شامل ہوخواہ یہ شمول لفظا ہوجیسے مسلمون ومشرکون(یہ دونوں جمع کے صیغے ہیں ایک وقت میں بہت سے افرادکوشامل ہیں)

اورخواہ یہ شمول معنی ہو(یعنی بولتے ایک لفظ ہوں مگر بہت سے افراد پرمعنادلالت کرے)جیسے''ما،،کہ غیرذوی العقول اشیاء پربولاجاتاہے اور''من،،کوذوی العقول کی جماعت پربیک وقت بولاجاسکتاہے۔

مجمل:''هوماخفی المرادمنه بحیث لایدرک بنفس اللفظ الابیان من المجمل سواء ،کان ذالک لتزاحم المعانی التساویة الاقدام کالمشترک اولغرابة اللفظ کالهلوع اولانتقاله من معناه الظاهرالی ماهوغیرمعلوم،،[۸]

ترجمہ:مجمل ایساکلمہ ہے جس کی مرادیعنی معنی مقصودچھپاہواہواورنفس لفظ سے اس کاادراک نہیں کیاجاسکتاجب تک مجمل کی وضاحت نہ کی جائے۔برابر ہے کہ تساوی معانی آپس میں ٹکرائیں جیسے مشترک لفظ یاکوئی اجنبی لفظ ہوجیسے(ہلوع)یااس کے ظاھری معنی کوکسی نامعلوم لفظ کی طرف منتقل کرنے سےاس کامعانی پوشیدہ ہواہو۔

علامہ نظام الدین شاشی لکھتے ہیں:

''وهومااحتمل وجوهافصاربحال لایوقف علی المرادبه الابیان من قبل المتکلم،،[۹]

ترجمہ:مجمل وہ ہے کہ جس کامطلب متکلم کے بیان کے بغیرمعلوم نہ ہواوراس میں کئی وجوہ پائی جاتی ہوں۔

مثلا (وحرم الربوای) ربوا کے معنی مطلق زیادتی ہے۔جبکہ یہاں مطلق زیادتی کی حرمت مراد نہیں ہے۔بلکہ وہ زیادتی حرام ہے جو ایک ہی جنس یعنی کیلی یا وزنی چیز میں ہو اور عوض سے بھی خالی ہو۔
نفس کلمہ میں اس معنی کے مراد لینے میں کوئی دلیل نہیں ہے۔صرف تامل اور غور وفکر سے (حرم الربوا) کا صحیح مطلب معلوم نہیں ہوسکتا۔بلکہ متکلم کے کلام سے واضح ہوگا کہ فلاں فلاں چیزوں میں فلاں فلاں شرائط کے پائے جانے پر ربوا حرام ہے۔
اس کا حکم یہ ہے کہ اس کے معنی کے حق ہونے کا عقیدہ رکھے اور انتظار کرے کہ جو شارع کی طرف سے معنی بتائے گئے ہیں یا پھر بتائے جائیں گے وہی حق ہے۔
وہ تمام عام لفظ جو اجمال کے قریب ہونگے انہیں اجمال میں انضمام کردیں گے۔البتہ ان میں جو عموم پایا جاتا ہے اسے باقی رکھیں گے۔[۱۰]

مفہوم الصفت اور مفہوم اللقب میں فرق:

مفہوم الصفۃ:

کبھی کسی وصف (صفت) کو عام اسم کے ساتھ مقید ذکر کیا جاتا ہے۔جیسے ''فی الغنم السائمة زکوة ،،اس میں غنم کا لفظ ایسا ہے جس میں سائمہ (چرنے والی) اور معلوفہ (جن کو گھر پہ چارہ کھلایا جائے) دونوں شامل ہیں۔یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ معلوفہ ''غنم ،،میں داخل نہ ہو یا کوئی اسے سمجھنے سے غافل رہے۔لیکن ''غنم ،،کو صفت ''سائمہ ،،کے ساتھ خاص کرکے دراصل حکم کی مخالفت کو ظاہر کیا گیا ہے۔کہ سائمہ میں زکاۃ ہوتی ہے اور معلوفہ میں نہیں ہوتی ہے۔
۲۔کبھی اسم کو غیر عام اسم کے ساتھ بطور وصف کے ذکر کیا جاتا ہے جو تمام افراد کو شامل نہیں ہوتا بلکہ صرف خاص لوگ یا فرد ہی اس سے مراد ہوتا ہے۔جیسے ''الثیبة احق بنفسها من ولیها ،،ثیبہ سے مراد صرف شادی شدہ خاتون ہی ہے اس میں باکرہ خاتون داخل نہیں ہے۔لہذا ممکن ہے کہ ثیبہ کے تلفظ کے وقت کوئی باکرہ کا ذکر کرنا بھول جائے۔
ان میں سے مفہوم الصفۃ کی پہلی قسم دوسری سے اقوی ہے اکثر مفسرین ان دونوں مسئلوں میں فرق نہیں کرتے ہیں۔[۱۱]

مفہوم اللقب:

''ان یخص اسمابحکم فیدل علی ران ماعداہ بخلافه،،[۱۲]

ترجمہ: کسی اسم کو حکم کے ساتھ اس طرح خاص کرنا کہ وہ دلالت کرنے لگے کہ اس کے علاوہ جو بھی ہے اس میں حکم کی مخالفت پائی جاتی ہے۔

مثلا: ''جآء زید،، اس سے زید کے آنے کا مفہوم سمجھ میں آیا ہے مگر عمرو کے نہ آنے کا مفہوم اس میں نہیں ہے۔ اگر کبھی اس کا اعتبار کیا گیا تو یہ کفر ہے: جیسے ''محمد الرسول اللہ،، اس سے لقب کا مفہوم سمجھ آ گیا ہے۔ اس کا غیر رسول اللہ نہیں ہوسکتا ہے۔

لقب کا مفہوم ضعیف ہے۔ علماء اصول کے نزدیک لقب کا قاعدہ یہ ہے کہ ہر اسم جامد برابر ہے کہ وہ اسم جنس، اسم جمع یا اسم عین ہو، لقب ہو، کنیت ہو یا اسم ہو تمام کے تمام مفہوم لقب کے لئے استعمال ہوسکتے ہیں۔[۱۳]

نسخ اور تخصیص میں فرق:

نسخ کے لغوی معنی ازالہ اور نقل کرنے کے ہیں۔ اور اصطلاح میں کسی حکم شرعی کو کسی دلیل شرعی کے ساتھ اٹھا کر دوسرا حکم لانے کو نسخ کہتے ہیں۔ اس دلیل شرعی کو ناسخ، پہلے حکم کو منسوخ اور اس حکم کے اٹھائے جانے کے عمل کو نسخ کہتے ہیں۔[۱۴]

قرآن میں کئی جگہ نسخ ہوا ہے۔ جس میں سے ایک یہ ہے کہ بیت المقدس کی طرف نماز میں منہ کرنا منسوخ ہوکر مسجد حرام کی طرف مشروع ہوا ہے۔ ارشاد الہی ہے:

قدنری تقلب وجھک فی السمآء فلنولینک قبلةترضھافول وجھک شطرالمسجدالحرام وحیثماکنتم فولواوجوھکم شطرہ۔[۱۵]

نسخ کی حکمت یہ ہے کہ بندوں کو ان کی اصلاح وفلاح کے لئے رعایت دینا جیسے شروع میں نماز دو رکعتیں صبح اور دو رکعتیں شام کو شروع ہوئی تھیں پھر لوگوں کے مطمئن وراضی ہونے پر پانچ نمازیں موجودہ رکعات وتعداد کے ساتھ ہوگئیں۔[۱۶]

تخصیص کا لغوی معنی خاص کرنا ہے اور اصطلاحی معنی یہ ہیں:

''ھو قصر العام علی بعض افرادہ بدلیل یقتضی ذالک،،[۱۷]

تخصیص،حکم عام کوبعض افراد تک محدود کرنا کسی ایسی دلیل کے ساتھ کہ جس کا تقاضا کیا گیا ہو۔
علماء اصول نسخ کا تخصیص اور تخصیص کا نسخ پر اطلاق نہیں کرتے۔نسخ وقت خاص تک مخصوص کرتا ہے اور تخصیص اسباب کے ساتھ خاص کرتا ہے۔نسخ بعض زمانے سے حکم ہٹادیتا ہے۔اور تخصیص بعض خاص افراد سے حکم اٹھالیتا ہے۔نسخ اور تخصیص ایسابیان ہے جسے لفظوں سے روکانہیں جاسکتا ہے۔تخصیص ایسابیان ہے جس سے لفظ عام مراد ہے اور کسی حکم کواس کے ثبوت کے بعد ہٹادینا نسخ کہلاتا ہے۔۱۸
نسخ ،منسوخ سے انفصال کے ساتھ ہوتا ہے جبکہ تخصیص منفصل اور متصل دونوں طرح صحیح ہوجاتا ہے۔
نسخ مقطوع بہ کے ساتھ ہوتا ہے جواس کی جنس سے ہو یعنی کتاب کا نسخ کتاب سے سنت کا سنت سے وغیرہ جبکہ تخصیص عام ہے۔معنی مقطوع بہ ہو یا اس کی جنس کے علاوہ ہو یہ صحیح ہوجاتی ہے۔
نسخ قول یا خطاب ہوتا ہے اور تخصیص تمام ادلہ شرعیہ وعقلیہ میں جائز ہے۔نسخ اس معنی مراد میں بھی صحیح ہوجاتا ہے جو دلیل سے جانا گیا ہو۔اگر چہ لفظ کو شامل نہ ہو۔جبکہ تخصیص اس مراد میں صحیح نہیں ہوتی جولفظ کو شامل نہ ہو۔
نسخ احکام کے ساتھ خاص ہے۔اخبار میں نہیں ہوتا ہے اور تخصیص احکام واخبار دونوں میں جائز ہے۔
نسخ سارے حکم کو اٹھالیتا ہے جبکہ تخصیص بعض حکم کو ثابت کرتی ہے۔نسخ کسی ایک شئی کی طرف آئے تو جائز ہے جبکہ دو سے کم افراد میں جائز نہیں ہے۔
نسخ ایک مدت کے لئے خاص ہے۔اور تخصیص کسی سبب کے ساتھ خاص ہے۔نسخ تبدیلی حکم کا نام ہے جبکہ تخصیص تقلیل یعنی چند افراد تک (حکم) کو محدود کرنے کا نام ہے۔۱۹

الہام نبی اور غیر نبی میں فرق

الہام اس خیال،تصور یا بات کو کہتے ہیں جو بطور فیض دل میں ڈال دی جائے۔

چنانچہ سید شریف جرجانی لکھتے ہیں:

''وماوقع فی القلب من علم،وهويدعوالى العمل من غيراستدلال بسآية ولانظرفی حجة،وهوليس بحجةعندالعلماء الاعندالصوفين،،۲۰

ترجمہ:وہ علم جودل میں خود بخود آجائے اور کسی آیت سے استدلال اور دلیل وحجت کے بغیر ہی عمل کی

دعوت دے۔علماء کے نزدیک یہ حجت نہیں ہے جبکہ صوفیاء الہام کو عمل کے لئے حجت مانتے ہیں۔
الہام،اعلام کے مقابلے میں خاص ہوتا ہے۔کیونکہ اعلام کسبی ہوتا ہے یعنی مانگنے پر عطا کیا جاتا ہے جبکہ الہام تنبیہہ کے لئے کیا جاتا ہے۔یعنی ہوشیار و بیدار کرنے کے لئے خود بخود اللہ یا فرشتوں کی طرف سے دل میں علم ڈال دیا جاتا ہے۔۲۱

قرآن وحدیث میں کئی جگہ الہام کا ذکر آیا ہے۔

ارشاد الٰہی ہے:

''ونفس وماسواھافالھمھافجورھاوتقوھا،،۲۲

یعنی:ان کے دلوں میں تقوی اور فسق وفجو کی پہچان الہام کردی گئی۔

''واوحی ربک الی النحل،،۲۳

یہاں وحی سے مراد الہام اور سمجھ بوجھ ہے۔

''واوحینا الی ام موسی ان ارضعیہ،،۲۴

یہاں وحی سے مراد الہام اور دل میں بات ڈالنا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

''وکل مولودیولدعلی الفطرۃ،،۲۵

یہاں فطرہ سے مراد دین حق ہے۔جس کی اس بچہ کے دل میں پہچان الہام کی گئی ہے۔

''اتقوافراسۃ المومن فانہ ینظر بنوراللہ عزوجل،،۲۶

یہاں فراست سے مراد الہام والقاء الٰہی ہے۔

''قدکان فی الامم محدثون فان یکن فی ھذہ الامۃ احدمنھم فھوعمر،،۲۷

گویا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سابقہ امتوں کے محدثین کی طرح وحی یعنی الہام کیا جاتا ہے کبھی اللہ کریم اور کبھی فرشتے ان کے دل میں القاء والہام کرتے ہیں۔اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کوئی مشورہ دیتے تو وحی الٰہی سے اس کی تائید ہوجایا کرتی تھی۔

تحری (سوچ وبچار) کے بعد اگر قبلہ سے رخ پھر بھی گیا تو نماز درست ہوگی۔

انبیاء کا اجتہاد بھی الہام ہی ہوتا ہے چنانچہ شیخ احمد المعروف ملاجیون رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''فالھمامہ قسم من الوحی یکون حجۃ متعدیۃ الی عامۃ الخلق،،۲۸

ترجمہ: نبی کا الہام وحی کی ہی ایک قسم ہے جو نبی کے لئے اور عام لوگوں کے لئے بھی حجت ہے۔ بلکہ نبی کا الہام اس کے اپنے حق میں اور امت کے حق میں دلیل قطعی ہے جس کی مخالفت جائز نہیں ہے۔

اولیاء صالحین امت کی طرف بھی القاء والہام ہوتا رہتا ہے۔ چنانچہ ملاجیون رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''الهام الاولياء حجة فی حق انفسهم ان وافق الشريعة ولم يتعدالی غيرهم،الااذا اخذنابقولهم بطريق الآداب،،۲۹

ترجمہ: اولیاء کا الہام اگر شریعت کے مطابق ہے تو ان کے اپنے حق حجت ہے۔ اور عام لوگوں کے لئے حجت نہیں ہے سوائے اس کے کہ ہم ان کے ادب کا لحاظ کرتے ہوئے ان کی بات مان لیں۔ گویا اولیاء کا الہام دلیل ظنی ہے دوسروں کا اس پر عمل کرنا لازم نہیں ہے۔ بلکہ مخالفت جائز ہے۔ اگر اولیاء کا الہام شریعت کا مخالف ہے تو وہ شیطانی خیال ہے پھر نہ اس کے اپنے حق میں حجت ہے نہ غیر کے حق میں حجت ہے۔

عامۃ العلماء اور امام سہروردی کا یہی خیال ہے۔ جبکہ امام رازی اور ابن صلاح شافعی نے الہام ولی پر اعتماد کیا ہے۔ البتہ ولی کو اپنے الہام کی طرف دعوت نہیں دینا چاہئے۔ اور نہ ہی مجتہد کو اس کے صحیح اجتہاد پر عمل سے منع کیا جائیگا جبکہ الہام کے ذریعے اس کا خطی ہونا معلوم ہو جائے۔۳۰

امام سمعانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

فثبت ان الالهام حق من قبل الله تعالی وانه كرامة الآدمی وانه وحی باطن الااذا عصی ربه وعمل بهواه يحرم هذه الكرامة ويستولی عليه وحی الشيطن بقوله تعالی:وان الشيطن ليوحون الی اوليائهم،،۳۱

۔ترجمہ: بس ثابت ہوا کہ الہام کا آنا حق ہے۔ اور اللہ کی طرف سے ہے۔ اور یہ آدمی کی عزت وکرامت کا ثمرہ ہے۔ اور یہ الہام باطن کی وحی ہے۔ جب انسان اپنے رب کی نافرمانی کرتا ہے اور اپنی خواہشات پر عمل کرتا ہے تو اس عزت وشرف سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ اور اس پر پھر شیطان کی وحی مسلط ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

''وان الشيطن ليوحون الی اوليائهم،،۳۲

ترجمہ: شیطان اپنے دوستوں کی طرف وحی یا الہام کرتا ہے۔

وجوب ادا اور وجوب قضا میں فرق:

وجوب ادا:"وهو تسليم عين الواجب بسببه الى مستحقه"٣٣

نفس:اور وہ نفس واجب کو(جواس کے سبب کی وجہ سے ذمہ میں ثابت ہے)اس کے مستحق کے سپرد کرنا ہے۔

تسلیم کا مطلب ہے(فعل) کوعدم سے وجود میں لانا۔جبکہ ہرشئی بعینہ تسلیم ہو۔اگرایسانہ ہوتو پھرافعال مثل اعراض ہوں گے جنہیں تسلیم کرناممکن نہ ہوگا۔کیونکہ اعراض منتقل نہیں ہوتے ہیں۔"تسلیم" جنس ہے جس میں ادا اور قضاء دونوں شامل ہیں۔جبکہ"عین الواجب" کہنے سے قضاء ونفل دونوں خارج ہوگئے۔جب کسی شئی کا عین یا مثل مانا جائے تو وہ قیاس نہیں رہتا بلکہ اصل ہوتا ہے۔البتہ قیاس کے ذریعے جوامر معلوم کیا گیا ہے۔اگر یہ اسکا عین ہے جو سمجھا گیا ہے تو اداء سے ورنہ قضاء ہے۔سبب کے بیان کا فائدہ یہ ہے کہ سبب کے ذریعہ نفس وجوب ثابت ہوتا ہے اورامر کے ذریعے وجوب الاداء ثابت ہوتا ہے۔لہذا دونوں میں فرق ظاہر کرنے کے لئے سبب کو ذکر کیا ہے مثلا:

ظہر کے وقت کا آنا نماز کے فرض ہونے کا سبب ہے۔اور وجوب ادا کے لئے"اقیموا الصلوة" کا امر موجود ہے۔اسی طرح رمضان کے مہینے کا آنا روزہ فرض ہونے کا سبب ہے۔اور وجوب ادا کے لئے"فمن شهدمنكم الشهر فليصم" کا امر موجود ہے۔٣٤

وجوب ادا کے لئے قدرت ممکنہ شرط ہے۔کیونکہ بندہ پر اداء واجب ہو اور وہ ممکنہ قدرت نہ رکھتا ہو تو تکلیف مالا یطاق لازم آئے گی۔جو اللہ کے ارشاد کے خلاف ہے۔"لايكلف الله نفسا الا وسعها" ،وجوب قضاء میں قدرت ممکنہ شرط نہیں ہے ورنہ واجب واحد میں تکرار لازم آیگا جبکہ یہ جائز نہیں ہے۔

بقائے واجب کے لئے قدرت میسرہ بھی دائمی شرط ہے۔اور قدرت میسرہ تو قدرت ممکنہ سے بھی زیادہ واضح ہے۔کیونکہ وجوب کے امکان کے ساتھ ہی ادائیگی میں یسر اور آسانی اور سہولت پائی جاتی ہے۔مثلا

مال کی ہلاکت سے زکوة ساقط اور پیداوار کی ہلاکت سے عشر ساقط اور آفت سے زراعت ہلاک ہوئی تو خراج بھی ساقط ہو جائیگا۔کیونکہ صفت یسر کے ساتھ ان کی ادا واجب تھی۔جو نہیں رہی ہے۔٣٥

ادا کی تین قسمیں ہیں:

اداء کامل:

جوانسان اس لئے ادا کرے کہ اس کا حکم دیا گیا ہے۔ جیسے: مدرک کا امام کے ساتھ نماز ادا کرنا۔

اداء ناقص:

جیسے منفرد اور مسبوق کا نماز ادا کرنا۔

ادا شبہ القضاء:

لاحق کا امام کے بعد نماز ادا کرنا وقت کی وجہ سے جبکہ اس نے امام کے ساتھ نماز شروع کی تھی پھر کسی وجہ سے نماز فوت ہوگئی۔[۳۶]

قضاء: لغوی معنی ''حکم،، ہے۔

اصطلاح میں اللہ کے ان تمام احکامات کو قضاء کہتے ہیں جو احوال جاریہ کے حوالے سے موجودات میں ازل سے ابد تک جاری ہیں۔

فقہاء کے نزدیک قضاء کی تعریف یہ ہے:

'القضاء تسلیم مثل الواجب بالسبب،،[۳۷]

ترجمہ: کسی سبب کی وجہ سے واجب کے مثل کو تسلیم کرنا۔

امام حسام الدین قضاء کی تعریف یوں کرتے ہیں:

''وھو اسقاط الواجب بمثل من عنده هو حقه،،[۳۸]

ترجمہ: اور وہ واجب کو ایسے مثل کے ذریعے ساقط کرنا ہے جو اس کے پاس ہو اور اس کا حق ہو۔

قضاء دوسری نص سے ثابت ہوگی یا اسی سبب کے ذریعے ثابت ہوگی کہ جس کی وجہ سے ادا واجب ہوئی تھی؟ اس میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ چنانچہ:

امام احمد بن حنبل، اہل حدیث، بعض شوافع اور عام محققین کے نزدیک قضاء کا وجوب اسی سبب کے ذریعہ ثابت ہوتا ہے۔ جس سے وجوب الاداء من الامر ثابت ہوا تھا۔ کیونکہ قضاء (اصل کی بقاء کے لئے) واجب ہے۔

وہ وقت جو وجوب ادا کا سبب تھا جب ساقط ہوگیا تو اس پر ضمان نہیں ہے کیونکہ اس جیسی کوئی چیز ہو ہی

نہیں سکتی ہے۔البتہ قضاء ہوگی جوکہ منصوص علیہ اورمعقول ہے۔جیسے:نمازاورروزے کی قضاہے یاپھرنمازوروزہ اوراعتکاف کی نذروغیرہ کی قضاءمثلاکسی نے نذرمانی کہ پورارمضان اعتکاف کرے گااوراس کے روزے رکھے گامگرکسی وجہ سے رمضان کے روزے تورکھے مگراعتکاف نہ کیاتواب پورامہینہ روزوں کی حرمت کی وجہ سے رمضان کے روزے ہیں اس شرط کوپوراکررہے تھے اب اگراعتکاف کرے گاتوساتھ روزے بھی رکھے گا۔۳۹

قضاء کی دوقسمیں ہیں:

۱۔قضاءمعقول

۲۔قضاءغیرمعقول

قضائے معقول کی دوقسمیں ہیں:

۱۔قضاءکامل:مثلانمازباجماعت کافوت ہوجانا۔

۲۔قضاءقاصر:مثلامنفردکی نمازکاقضاءہوجانا۔

قضاءغیرمعقول:مثلاشیخ فانی کی طرف سے روزوں کافدیہ دینا۔اوراس پرقیاس کرتے ہوئے فوت شدہ نمازوں کابھی فدیہ دیاجائے۔اس امیدپرکہ وہ مالک قبول فرمائے گا۔قضاءغیرمعقول کوبالاتفاق نئے نص کے بغیرقول نہیں کیاجائے گا۔۴۰

احناف میں سے عراقی مشائخ،عام اصحاب شافعی اورمعتزلہ کامذہب یہ ہے کہ قضاء کے لئے اداء کے سبب کے علاوہ ایک نئے سبب کاہوناضروری ہے۔

جونص وجوب کوواجب کرتی ہے وہی قضاکوبھی واجب کرتی ہے۔مثلا''اقیموا الصلوۃ،،سے نمازکی ادااورقضاء دونوں واجب ہیں۔کیونکہ ادا مکلف پراللہ کاواجبی حق ہے جوتاخیراورخروج وقت سے ساقط نہیں ہوتاہے بلکہ ادا کرنے سے یاصاحب حق اپناحق ساقط کردے،یابندہ ادائیگی سے عاجزہوتویہ حق ساقط ہوجاتاہے۔

''فمن کان منکم مریضااوعلی سفرفعدۃمن ایام اخر،،۴۱

اور ''اذا نسی احدکم الصلوۃ اونام عنھافلیصلھااذا ذکرھا،،۴۲

گویاقضاءمنصوص علیہ اورامرمعقول ہے۔واجب ہے۔نص جدیدنہ ہوتوفوت ہوناہی نص ہوگی۔